OPEN ACCESS
Biannual Research Journal
AL-ILM
Volume: 07
Issue: 01
Spring 2023

جرم وسزا کے معاصر و اسلامی تصورات کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ



ISSN (P):
2618-1134
ISSN (E):
2618-1142

COMPARATIVE AND ANALYTICAL STUDY OF MODERN AND ISLAMIC CONCEPT OF CRIME AND PUNISHMENT

Homepage URL:
https://www.alilmjournal-gcwus.com/index.php/al-ilm

Issue URL:
https://www.alilmjournal-gcwus.com/index.php/al-ilm/issue/view/13

Received:
13-03-2023
Accepted:
18-04-2023
Published:
25-06-2023

Rubina Rashid

Principal, Super Celestial Grammar School Daska

Email: missiramms31@gmail.com

ABSTRACT

The meanings and definitions of crime are influenced by cultural, historical, and legal perspectives. Crime is generally understood as the violation of social norms and laws, resulting in harm or potential harm to individuals, communities, or the broader social order. Legal definitions often vary across jurisdictions, reflecting different social values and evolving norms. Examining the causes of crime involves delving into a range of factors that contribute to criminal behaviour. Social factors, such as poverty, inequality, lack of access to education, and limited economic opportunities, can create environments conducive to criminal activities. Psychological factors, including personality traits, mental health issues, and social learning, also play a crucial role in shaping criminal behaviours. Additionally, the influence of peer pressure, family dynamics, and cultural backgrounds further intertwine to impact an individual's likelihood of engaging in criminal acts. Motivations behind criminal behaviour are intricate and multifaceted. Economic motivations, such as financial gain through theft or fraud, are prevalent. However, crimes can also stem from emotional motivations, such as revenge, anger, or jealousy. Psychological motivations like thrill-seeking and a desire for power can drive individuals to commit unlawful acts. Social motivations, such as seeking belonging within criminal groups or succumbing to peer pressure, are also significant contributors.

Keywords: *Violation, Communities, Jurisdictions, Behaviour, Inequality, Poverty.*

How to Cite: Rubina Rashid, "جرم وسزا کے معاصر و اسلامی تصورات کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ" Al-Ilm 7, no. 1 (2023): 88-109.

موضوع کا تعارف

معاشرے کی بہتری اور معاشرے کی برائیاں دور کرنے کی غرض سے قانون تقاضا کرتا ہے کہ جرائم کے ارتکاب پر سزائیں دی جائیں۔ کیونکہ ایک جرم کرنے والا اپنے جرم کے ارتکاب سے انسانی معاشرے کے افراد کے حق میں اذیت کا باعث بنتا ہے اگر جرم کرنے والے کو بغیر کسی سزا کے آزاد چھوڑ دیا جائے تو پھر جرائم کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جائے گا اور پھر آزادانہ اور بلا خوف و خطر چوری، ڈاکہ زنی، فساد اور قتل کا بازار گرم ہو جائے گا۔ اس لیے ایک مجرم کو سزا دینا مصلحتاً بہتر ہے۔ جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ بحیثیت اشرف المخلوقات انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے گرد پھیلی مخلوقات سے خالق کے احکامات کے مطابق سلوک کرے اور کسی بھی ایسے اقدام سے باز رہے جو زمین میں فساد اور خرابی کا موجب ہو اور ملائکہ کے اس خدشے کو تقویت دینے کا باعث ہو جس کا اظہار انھوں نے تخلیق آدم کے وقت ان الفاظ میں کیا تھا:

قَالُوٓاْ أَتَجۡعَلُ فِيهَا مَن يُفۡسِدُ فِيهَا وَيَسۡفِكُ ٱلدِّمَآءَ [1]

"کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے اس میں (زمین میں) جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خون ریزیاں کرے گا"

نسلِ انسانی میں سے بعض افراد قوانینِ فطرت کی خلاف ورزی اور خالق کے احکامات سے بغاوت کرتے ہوئے مختلف جرائم اور فساد فی الارض کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دنیا کے ہر معاشرے میں ایسے افراد کی سرکوبی کیلئے مختلف قوانین وضع کیے جاتے ہیں۔ ان معاشروں کے قوانین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وضعی قوانین میں مجرم کے خلاف انتقام کا پہلو جب کہ شرعی قوانین میں زجر و توبیخ اور عبرت کا پہلو ہوتا ہے۔ لیکن مقصد دونوں کا جرائم پر قابو پانا اور امن و امان اور تحفظ کا احساس پیدا کرنا ہی ہوتا ہے۔

انسانی معاشرے میں جرم کی تاریخ

جرائم ہر معاشرے میں ایک اہم سماجی مسئلہ ہوتے ہیں۔ انسان نے جب تنظیمی زندگی گزارنا شروع کی اور معاشرہ ترتیب دیا تو افراد کے لیے لائحہ عمل بنایا اور معیار عمل مقرر کر کے اچھائی اور برائی میں تمیز پیدا کی اور نیکی اور بدی میں فرق کیا۔ لیکن سماجی نظم وضبط کی پابندیوں اور سختیوں کے باوجود بُرائی پر عمل پیرا اور بدی کرنے والوں کو نیست ونابود نہ کر سکا۔ ہر معاشرے میں چاہے وہ قدیم ہو یا جدید، کم یا زیادہ، جرائم سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ مذہب کی رو سے ابتدائے آفرینش میں ہی قابیل نے اپنے سگے بھائی ہابیل کو رشک وحسد کے باعث قتل کر دیا اور اس طرح بنی نوع انسان میں جرم کی بنیاد ڈالی۔ [2]

قرآنِ کریم اس جرم کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ[3]

"اور آپ ﷺ پڑھ کر سنائیں انھیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے کہا! قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا پہلے نے کہا قبول فرماتا ہے اللہ تعالیٰ صرف پرہیز گاروں سے"

اس جرم کا تذکرہ بائبل میں اس طرح ملتا ہے:

"(قائن کا بھائی) ہابل بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور قائن کسان تھا چند روز بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے پھل کا ہدیہ خداوند کے واسطے لایا اور ہابل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیے کو منظور کیا، پر قائن کو اور اس کے ہدیے کو منظور نہ کیا۔ اس لئے قائن نہایت غضبناک ہوا اور اس کا منہ پکڑا اور خداوند نے قائن سے کہا تو کیوں غضبناک ہوا اور تیرا منہ کیوں بگڑا ہوا ہے اگر تو بھلا کرے تو کیا تو مقبول نہ ہو گا اور تو بھلا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر دبکا بیٹھا ہے اور تیرا مشتاق ہے پر تو اس پر غالب آ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل کو کچھ کہا اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قائن نے اپنے بھائی ہابل پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔"[4]

یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت کے آغاز کے ساتھ ہی جرم کی تاریخ کا آغاز ہوا اور پھر یہ سلسلہ جرم و سزا ہر جگہ ہر زمانے میں برابر چلا آرہا ہے۔ لفظ جرم کا عام فہم اور قانونی مفہوم ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ عام مفہوم کے تحت جرم اخلاقی ضابطوں کی خلاف ورزی ہے جو کہ مذہبی اقدار کے تابع ہوں اور جس کو لوگ یا معاشرہ تسلیم کرتے ہوں جبکہ لفظ مجرم عموماً ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو یا تو بد معاش ہوتا ہے یا اس کی حرکات و سکنات معاشرے کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ مجرم کا لفظ اس شخص کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس نے مذہبی ضابطوں کی خلاف ورزی کیا اور اسے معاشرے نے سزا دی ہو۔ جرم کے ارتکاب پر سزا یا تو معاشرہ دیتا ہے یا کوئی برتر قوت دیتی ہے۔ جس کو صاحب امر کی طرف سے اختیارات تفویض کئے گئے ہوں۔ بعض معاشروں میں اخلاقی ضابطوں کے تحت جرائم کی شکل بدلی جاتی ہے۔ لیکن بعض جرائم ایسے ہیں کہ لوگ ان کو مذہب اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر معاشرے میں کرتے ہیں جیسے غداری، زنا بالجبر، قتل اور ڈاکہ وغیرہ۔ یہ جرائم ہر معاشرے میں بری نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ جدید دور میں جرم سے مراد ایک ایسا فعل لیا جاتا ہے جو کہ یقینی طور پر ثابت کیا جا سکے اور معاشرے میں ممنوع ہو اور ملک کی مقننہ نے اسے قابل سزا قرار دیا ہو۔ جبکہ اسلام کے فلسفہ کے مطابق

ہر وہ فعل یا ترک فعل جرم ہے جو کتاب و سنت سے منع ہو اور صاحب امر کی جانب سے اسے کرنے سے روکا گیا ہو۔

جرم کا معنی و مفہوم

عربی زبان میں جرم کے ایک معنی "تعدی اور ذنب" کے ہیں ذنب کو جریمہ بھی کہتے ہیں اور اسم فاعل مجرم اور جریمہ۔[5] جرم عربی زبان کا لفظ ہے، مذکر استعمال ہوتا ہے۔ خلافِ قانون حرکت یا قابلِ سزا فعل ہے۔[6] جرم کو عربی میں ذنب بھی کہتے ہیں جسکی جمع ہے ذنوب۔ اس کا مطلب گناہ یا قصور ہے۔[7] جرم کو جریمہ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ گناہ اور قصور کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔[8] عربی میں لفظ جرم تعدی (ظلم) اور ذنب (گناہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مجرم اسم فاعل ہے۔[9] جرم عربی زبان کا لفظ ہے عربی سے اردو میں آیا۔ انگریزی زبان میں جرم

کہتے ہیں جس کا مطلب ناراضگی ہے۔ جرم قابلِ سزا ہے، واجب تعزیر یا خطا ہے۔[10] Crime, Offence

جرم کا اصطلاحی مفہوم

جرم وہ شرعی ممنوع ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے حد یا تعزیر کے ذریعے روکا ہے۔[11] حقوق کی خلاف ورزی پر اگر چارہ کار کا حق عام خلائق کو حاصل ہے تو اسے جرم کہتے ہیں۔[12] جرم وہ افعال ہیں جو قانونی طور پر معاشرے میں ممنوع ہیں۔[13] جرم سے مراد ایسے افعال ہیں جو ملکی قوانین کی خلاف ورزی کریں۔ یہ افعال اس وقت سرزد ہوتے ہیں جب یا تو قوانین کی اطاعت نہ کی جائے یا کی مخالفت کی جائے۔[14]

کسی فعل کے جرم ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے ارتکاب یا ترک کے واضح احکامات موجود ہیں جن کو اصطلاح فقہ میں نص کہا جاتا ہے۔ جرم کے متعلق فقہائے اسلام اور جدید مفکرین کی تعریف میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ ایک نوع کی ہم آہنگی کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ جدید قوانین میں بھی جرائم وہی افعال متصور ہوتے ہیں۔ جن کو از روئے قانون جرم قرار دے دیا گیا ہے اور ان کے ارتکاب یا ترک کرنے کے لیے واضح احکامات موجود ہیں نیز ان سے متعلق احکام کی نافرمانی یا قانون شکنی ہی جرم کے تحت آتی ہے۔ اسلام میں قانون کا منبع خود ذات باری تعالیٰ ہے جبکہ جدید قانون کے معمار منتخب شدہ مقننہ کے ارکان ہوتے ہیں۔[15]

جرم کے بارے میں مختلف نظریات

جرم اپنی اکثر صورتوں میں فرد کی جماعت پر زیادتی ہوا کرتا ہے۔ فرد اور معاشرے کے تعلق سے ہی جرم وجود میں آتے ہیں۔ اس لیے جس طرح معاشرے اور فرد کے تعلق کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ اس طرح جرم کے متعلق بھی نظریات پائے جاتے ہیں۔

1۔ سرمایہ دارانہ نقطہ نظر

وہ اقوام جو فرد کی شخصی آزادی کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتی ہیں اور یہ خیال رکھتی ہیں کہ فرد کا اپنا ذاتی تشخص بغیر کسی رکاوٹ کے بروئے کار لانا چاہیے اور نہ صرف یہ کہ جرائم کی گرفت میں تساہل برتتی ہیں بلکہ الٹا معاشرے کو افراد کی جرم پسندی کا مورد الزام ٹھہراتی ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں معاشرے نے ان پر پابندی لگائی ہے اور ان کی آزادی کو پابہ زنجیر کر دیا ہے اور اس طرح خود مجرم معاشرے کی زیادتیوں کا شکار ہوا ہے۔ اس لیے فرد کو معاشرے سے اسکی زیادتیوں کا تاوان دلوانا چاہیے اور یہ کہ مجرم کو سزا دی جائے۔(16)

2۔ اشتراکیت کا نقطہ نظر

اشتراکیت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جرائم کے محرکات نفسیاتی یا جنسی نہیں ہوتے بلکہ اس کے اسباب اقتصادی ہوتے ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے ایک غیر متوازن معاشرے میں جرائم کا
وقوع پذیر ہونا پذیر ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ جلنے کڑھنے والے غریبوں کے نفوس اور نازوں کے پالے امراء کے دلوں میں فضائل نہیں پائے جاتے۔ اسکی نہ تو کوئی مزاحمت کی جاسکتی ہے اور نہ ہی جرائم پر سزائیں جاری کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ جب تک یہ غیر متوازن اقتصادی نظام موجود ہے جرائم کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔(17)

3۔ اسلام کا نقطہ نظر

دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی میں اسلام وہ منفرد ضابطہ حیات ہے جو جرم وسزا کے بارے میں مخصوص نقطہ نظر رکھتا ہے اور یہ نقطہ نظر انسانی دنیا کی ممکنہ حدود میں مطلق وکامل انصاف کا حامل
ہے۔ وہ نہ جماعتی حقوق میں مبالغہ کرتا ہے اور نہ فرد کے احترام میں انتہا پسندی اختیار کرتا ہے۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر بلاوجہ ترجیح نہیں دیتا۔ یہ امر ایک فطری اور طبعی نتیجہ ہے۔ اس زاویہ نظر کا جس سے اسلام انسان کو دیکھتا ہے۔ اسلام انسان کو اس کے دنیاوی ماحول میں باندھ کر دیکھتا ہے۔ وہ اس کے متصادم گوشوں اور متضاد پہلوؤں سے اس کا مطالعہ نہیں کرتا، بلکہ اسلام بلندی سے مطالعہ انسان کرتا ہے وہ انسان کو آفاق کے کناروں سے جھانکتا ہے اور وہ پورے انسان کو ایک بھرپور نظر سے دیکھتا ہے وہ اس کے نفس کی گہرائیوں میں پنہاں سرسراتے ہوئے خیالات اور اس کی عملی زندگی میں پوری سرگرمی اور جوش کے ساتھ انجام دیئے جانے والے اعمال سے بیک وقت واقف اور پوری طرح آشنا ہے۔ اسلام جس زاویہ نظر سے انسان کو دیکھتا ہے۔ اس میں انسانی افراد اور گروہ باہم متصادم، ٹوٹے ہوئے اور بکھرے ہوئے اجزاء نہیں ہوتے۔ بلکہ ساری انسانیت باہم مربوط، متصل اور پیوست ہوتی ہے۔

اس طرح اس کے متفرق اجزاء کو علیحدہ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کی نظر میں روئے زمین نہ تو خالص خیر ہے اور نہ سراپا شر اور برائی۔ بلکہ ایک ایسی ملی جلی شے ہے کہ اس میں برائی کا چشمہ بھی ابل سکتا ہے اور خیر و بھلائی کے سوتے بھی پھوٹ سکتے ہیں۔ عملی تخلیق کے تمام تر تانے بانے ایک ماہر خالق کائنات کے ہاتھ میں ہیں جو ان کو کھینچ تان کر انسان کو استوار کرتا رہتا ہے۔(18)

جرائم کے اسباب و محرکات

جرم کے بارے میں مختلف نظریات کے ساتھ ساتھ ان اسباب کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ جن کی وجہ سے انسان معاشرے میں جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہ امر اپنی جگہ مسلم ہے کہ کوئی بھی جرم خواہ چھوٹے سے چھوٹا ہو یا بڑے سے بڑا۔ بغیر اسباب وذرائع اور عوامل و حرکات کے وجود میں نہیں آتا۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص بھی پیدائشی طور پر مجرم نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ماحول اور حالات سے اثر قبول کرتا ہے۔ نا موافق اور ناگفتہ بہ حالات مجرمین کیلئے بے راہ روی اور بھٹکنے کا موجب بنتے ہیں۔ ایک اچھے بھلے عقلمند انسان کو مجرم بنا دیتا ہے۔ اگرچہ جرائم کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان قدیم ہے۔ ابتدائی دور میں جرائم پر تحقیق میں کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو انسان عہد قدیم ہی سے جرائم کی ہیئت پر غور کرتا رہا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے جرم و گناہ کے مذہبی تصورات و نظریات کو قبول کیا اور پھر ان میں ترقی دے کر جرم سے متعلق قانونی افکار پیدا کئے۔ موجودہ زمانے میں جرم کے اسباب و محرکات کئی ایک ہوسکتے ہیں۔ مغربی مفکرین نے جرائم کے بہت سے اسباب گنوائے ہیں۔

1۔ غریبی

معاشرے میں زیادہ تر طبقہ غریب غرباء پر مشتمل ہوتا ہے۔ غربت اور اقتصادی بدحالی سے مجبور ہو کر لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس میں پیشہ ور لوگ اور غیر پیشہ ور لوگ دونوں شامل ہیں۔ جرائم کے ارتکاب سے دولت غریب کو آسانی سے میسر آجاتی ہے اور اس طرح مجرم دوبارہ جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ دھوکہ دہی، سرقہ بالجبر اور عام سرقہ قسم کے اور جرائم زیادہ تر غریب لوگ ہی کرتے ہیں۔ انسان بعض اوقات مالی حالت سے مجبور ہو کر ارتکاب جرم کرتا ہے۔ کے فورڈ شاہ اور ای۔ ایم۔ سدرلینڈ کے نزدیک غریب لوگوں کے بچے جلد جرائم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ غریب لوگ اپنے بچوں کو زندگی کی سہولتیں فراہم نہیں کرسکتے۔ غربت کی وجہ سے بچے تعلیم سے محروم رہتے ہیں اور انھیں مزدوری پر لگا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی دو وقت کی روٹی پوری نہیں ہوتی۔ جرائم غربت اور ماحول کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر بچوں کو صحیح سہولتیں فراہم کی جائیں اور انھیں تعلیم کی طرف راغب کیا جائے اور غلط ماحول سے محفوظ رکھا جائے۔ ابتداء ہی سے ان کی تربیت پر توجہ دی جائے تو

جرائم سے بچے دور رہتے ہیں۔ جبکہ دوسری صورت میں بچے جو ابتداء میں چھوٹے موٹے جرائم کرتے ہیں بڑے ہو کر سنگین جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔[19] اس حقیقت کیطرف انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کا مقالہ نگار اس طرح اشارہ کرتا ہے:

"اور معاشرے میں قانون پر عمل کرنے والے اور قانون توڑنے والے لوگوں کی تقلید میں اچھے اور برے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بچہ اس لیے مجرم بنتا ہے کہ اس کے سامنے قانون توڑنے والوں کی تعداد قانون پر عمل کرنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے"[20]

2۔ اخلاقی پسماندگی

اخلاقی پسماندگی بھی جرم کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اخلاقی پسماندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب انسان کا ضمیر مر جاتا ہے اور اچھے برے کی پہچان ہو جاتی ہے۔ جب انسان شعور کی اس منزل تک آ پہنچے تو پھر جرائم کا آغاز ہوتا ہے ۔ اخلاقی پسماندگی بحیثیت مجموعی اگر پورے معاشرے کی ہو گی تو وہاں زیادہ جرائم ہوں گے۔ اچھائی کا نظریہ ناپید ہو گا۔ اگر فرد واحد میں اخلاقی گراوٹ ہو گی تو پھر وہ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرے گا۔[21]

3۔ اقتصادی بحران

اقتصادی بحران بھی جرائم کا سبب بنتا ہے۔ خاص طور پر جہاں بے روزگاری ہو وہاں معیشت کے نت نئے جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ زرعی ممالک میں پانی کی تقسیم اور معاشی لین دین کے معاملات میں جھگڑا فساد ہو جاتا ہے جو جرائم کا سبب ہوتا ہے۔ معیشت انسان کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ کساد بازاری اور معاشی عدم استحکام جرائم کا سبب بنتے ہیں۔ لوگوں کے مابین معیشت یا روپیہ پیسہ کے لحاظ سے جھگڑا اور فساد پیدا ہو جاتا ہے اور یوں جرائم نت نئے طریقوں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ معاشی جھگڑا اور فساد جرائم کا سبب بنتے ہیں۔

معاشرے میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم جرائم کی وجہ بنتی ہے۔ کیونکہ سرمایہ وارانہ نظام کی وجہ سے معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف دولت کی فراوانی اور دوسری طرف بیروزگاری معاشرے کو جرائم سے بھر دیتی ہے۔ اگر معاشرے میں امیر اور غریب کا معاشی تضاد ختم ہو جائے اور دولت کی مساوی تقسیم ہو تو معاشرے سے جرائم ختم ہو سکتے ہیں۔ معاشرے میں اگر اشتراکی نظام کا نفاذ کیا جائے اور استحصال کا خاتمہ کر دیا جائے تو جرائم کا خاتمہ ممکن ہے۔ روزگار کو یقینی بنایا جائے ہر شخص کو بلا امتیاز روزگار کے مواقع حاصل ہوں۔ امیر لوگ دولت کے بل بوتے پر غریبوں کا استحصال کرتے ہیں۔ غریبوں سے لوٹی ہوئی دولت سے عیش و عشرت کے محل تیار کرتے ہیں۔ نتیجتاً معاشرے میں پسے ہوئے بیروزگار اور غریب لوگ جرائم کی طرف متوجہ ہو جاتے۔[22]

4۔ حکومت کی لاپرواہی

حکومت کی غفلت یا حکومت کے کسی صوبے کی چشم پوشی بھی جرائم کا سبب بنتی ہے۔ ایسی صورت حال نو آبادیاتی نظام میں محکوم قوم کے افسران حاکم قوم کے خلاف ورزی کرتے ہیں یا ریاست کا کوئی صوبہ کسی خاص مقصد کو سامنے رکھ کر جرائم کی بیخ کنی نہیں کرتا جس سے جرائم نہ صرف جنم لیتے ہیں بلکہ بڑھتے جاتے ہیں اور رد عمل کے طور پر ایک ایسی اچانک صورتحال پیدا ہوتی ہے کہ صوبے کے اس حصے میں جہاں جرائم عام تھے لوگ ان سختیوں کی وجہ سے تنگ آجاتے ہیں جو حکومت رد عمل کے طور پر وہاں کرتی ہے۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ حکومت کی غفلت یا حکومت کے کسی صوبے کی غفلت جرائم کی پیداوار کا سبب بنتی ہے۔[23]

5۔ ذرائع ابلاغ

ریڈیو، ٹیلی ویژن یا فلم یہ وہ رابطے ہیں جو حاضرین وناظرین کے ذہنوں پر خاص اثر ڈالتے ہیں۔ لٹریچر بھی اگر پراگندہ ہو تو نو آموز ذہنوں کے کے بہکنے کے واضح امکانات موجود ہوتے ہیں۔ اگر فلمیں مار دھاڑ سے بھرپور ہوں گی یا ان کا پلاٹ ایسا ہو گا جو کہ فرد یا افراد کے ذہنوں کو پراگندہ کر جائے تو پھر مشترکہ ذہن ڈاکہ زنی کی بنیاد بنیں گے۔ چوری کا ارتکاب شروع ہو جائے گا، قتل وغارت عام ہو جائے گی۔ امریکہ کی فلمیں دیکھیں اور وہاں کا معاشرہ دیکھیں گہری مماثلت نظر آئے گی۔ لوگوں کی جان لینا، لوگوں کو لوٹنا، چھینا جھپٹی کرنا وہاں روز مرہ کا معمول ہے۔ میڈیا جرائم کو جنم دیتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے۔ اگر حکومت اپنے معاشرے میں ایسی فلموں کی اشاعت پر پابندی لگادے تو ہمارا معاشرہ اس قسم کے اثرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔[24]

6۔ نفسیاتی کشمکش

نفسیاتی کشمکش جرائم کا سبب بنتی ہے۔ ڈاکٹر ولیم ہیلی اس نظریئے کا بڑا موئید ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جرائم نفسیاتی کشمکش کا بالواسطہ نتیجہ ہوتے ہیں۔ انسان نفسیاتی خواہشات کے تحت عام راستے سے ہٹ کر طریقہ اپنانا چاہتا ہے اور اس طریقہ کار کے لیے وہ جرائم کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یوں نفسیاتی کشمکش جرائم کے ارتکاب کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

" صرف نفسیاتی مریض ہی مجرم نہیں بنتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ چند دیگر وجوہات بھی مجرم پیدا کرتی ہیں۔ ان اسباب میں گھر کا ماحول ارد گرد کا ماحول، جرائم پیشہ افراد کی صحبت، موروثی حالات، احساس کمتری اور طبعی کیفیت بھی شامل ہیں جو سب مل کر جرائم کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں"[25]

7۔ماحول کا اثر

لامبروسو اگرچہ جرائم کا ماہر ہے اور اس کا شمار بابائے فن جرائم میں ہوتا ہے۔اور اس نے جرائم کے جس نظریہ کی بنیاد رکھی، اگرچہ اس نے جرائم کی دنیا میں ہلچل پیدا کی۔تاہم اس نظریہ پر تنقید ہوئی۔خصوصاً اس حوالے سے کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے مجرم پیدا نہیں ہوتا بلکہ حالات، واقعات، حوادث، احساس کمتری اور بعض دیگر امور اسے مجرم بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔چارلیس گورنگ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جسمانی ساخت کا جرائم سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔(26)

الغرض کسی بھی انسان کو جرم کی طرف مائل کرنے والے اسباب معاشی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی ہوسکتے ہیں۔معاشی بدحالی غربت وافلاس سے مجبور ہو کر انسان جرم کرتا ہے۔معاشرتی ناہمواریاں انسان کو جرائم پر آمادہ کرتی ہیں۔مذہبی تعصب بھی جرائم پر ابھارتا ہے۔اس کے علاوہ ریاست کے سیاسی حالات بھی جرائم کا سبب بنتے ہیں۔یہ تو اجتماعی وجوہات تھیں۔بعض اوقات انفرادی وجوہات بھی کسی فرد کو جوم کی طرف مائل کرتی ہیں۔جن میں خاندانی حالات اور والدین کی تربیت، سکولوں کا ماحول شامل ہیں۔الغرض بے شمار وجوہات ہوسکتی ہیں جو جرائم کا سبب بنتی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان وجوہات کا قلع قمع کیا جائے تاکہ جرم خود بخود ختم ہو جائیں۔

جرائم کی اقسام

1۔قتلِ انسانی

2۔فرد کے خلاف سنجیدہ جرائم (بشمول جنسی ایذا اور تشدد)

3۔جائیداد کے خلاف سنجیدہ جرائم (نقب زنی، ڈاکہ زنی، لوٹ کھسوٹ وغیرہ)

4۔سماجی عدم تنظیم (شراب نوشی، امن عامہ وغیرہ میں خلل ڈالنے والا پراگندہ رویہ، معمولی چوری، سرقہ وغیرہ)

5۔جرائم میں جنسی، غیر جنسی جرائم شامل ہیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہیں: جنسی جرائم یہ ہیں: زنا بالجبر؛ خواتین کا اغوا؛ اور لواطت۔

الغرض حرص وہوس اور طمع انسان کو جرائم پر اکساتا ہے اور ان کی وجہ سے انسان جن جرائم کا ارتکاب کرتا ہے ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: انسانی جان کے خلاف جرائم؛ انسانی مال کے خلاف جرائم؛ انسانی عزت کے خلاف جرائم۔ انسانی جان کے خلاف جرائم میں انتہائی جرم قتل، انسانی ہے۔اس کے علاوہ وہ کسی انسان کو جسمانی مضرت پہنچانے یعنی کسی کو زخمی کر دینا یا جسم کے کسی حصّے کو تلف کر دینا جان کے خلاف جرائم میں شامل ہے۔انسانی مال کے خلاف جرائم میں کسی کا مال زیادتی کے ساتھ چھین لینا۔چوری کرنا یا انسانی مال اور ملکیت کو تباہ

کر دینا شامل ہیں۔ جہاں تک عزت کے خلاف جرائم کا تعلق ہے۔ ان میں سے کسی کی بے عزتی کرنا، چغلی کرنا، بہتان لگانا، جنسی بے راہ روی وغیرہ شامل ہیں۔ اس سلسلے میں بعض اوقات معاشرتی اور تہذیبی روایات کا فرق کسی فعل کے جرم ہونے یا نہ ہونے کی وجہ بنتا ہے۔ لیکن عموماً ہر جرم ہر معاشرے میں جرم ہی تصور کیا جاتا ہے۔

سزا کے اصول

روحِ انسانی کی تطہیر بڑا پاکیزہ مقصد ہے۔ یہی تمام انسانی سعی وجہد کا حقیقی منتہائے مقصود ہے اور انسانی تہذیب کی غائیت اصلی بھی، لیکن اسلام روح کی تطہیر کو ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تہذیب کے ان تمام مظاہر کو بھی باقی رکھتا ہے جنہیں موجودہ زمانے میں زندگی کا اصل لطف سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال مجرم کو کو سزا دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کرنے سے پیشتر ہمیں ارتکاب جرم میں اس کی ذمہ داری کی صحیح حدود کا تعین ضرور کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ جہاں تک جرم اور اس کی سزا کا تعلق ہے، اسلام ان میں سے کسی کو نظر انداز نہیں کرتا۔ جرائم کا باعث بننے والے اسباب کا اسلام مختلف ذرائع سے قلع قمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دولت کی منصفانہ تقسیم پر بھی زور دیتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ افلاس کا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اسلامی ریاست اپنی حدود میں رہنے والے تمام شہریوں کو بنیادی ضروریات مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس سلسلے میں مذہب، نسل، زبان، رنگ یا معاشرتی مقام کا کوئی اختلاف ملحوظ نہیں رکھتی۔ اسی طرح ریاست تمام شہریوں کے لیے مناسب روزگار بھی مہیا کرتی ہے۔ اگر روزگار مہیا نہ ہو سکے یا کوئی شہری کام کرنے اور اپنی روزی آپ کمانے کے قابل نہ ہو، تو خزانہ عامرہ سے اس کو مدد دی جاتی ہے۔[27]

سزا کا فلسفہ اور مقاصد

فوجداری انصاف کے اصل مقصد سے متعلقہ تحقیق افلاطون اور ارسطو کے دور سے اب تک جاری ہے۔ اس طویل مدت منظر عام پر آنے والے نظریات کو دو بنیادی گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ اجتماعیت پر مبنی فلسفہ

اس فلسفہ کے مطابق سزا کا مقصد جرائم کے ارتکاب کو کم کر کے معاشرے کو ان کے برے اثرات سے محفوظ کرنا اور یوں بنی نوع انسان کی بہبود کو بحیثیت مجموعی پیش نظر رکھنا ہے۔

2۔ انفرادیت پر مبنی فلسفہ

اس نظریے کے مطابق سزا بذات خود ایک مقصد ہے۔ جو مجرم کے بحیثیت فرد علاج سے متعلق ہے:

"عدالتی سزا محض معاشرے کی اصلاح کے ذریعہ کے طور پر نہیں دی جاسکتی بلکہ یہ ہر صورت میں اس لیے دی جانی چاہیے کہ جس فرد پر عائد کی جاتی ہے اس نے جرم کیا ہو چنانچہ انصاف کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ بذات خود مقصد ہے اور سزا صرف اور صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ مجرم اس کا سزاوار ہوتا ہے۔"(28)

سزا کی نوعیت اور اس کی شکلوں کا تعین لازماً اس کے مخصوص مقاصد کی روشنی میں کی جانی چاہیے۔ اس سلسلے میں کم از کم چھ مقاصد کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔(29) احتراز بوجہ خوف؛ تادیب اور اصلاح؛ جرم کی روک تھام؛ کفارہ؛ بازدہی اور بحالی؛ اور حقیقی سزا۔(30) بقول سالمنڈ سزا کی پہلی تین صورتیں معاشرے کو مجرم کے مزید ارتکاب سے بچانے کے لیے ہیں اور آخری تین شکلیں سزا کو بذات خود ایک مقصد کے طور پر استعمال کرتی ہے۔

مقاصد سزا

1۔ احتراز بوجہ خوف

سزا کی اس حیثیت کا مقصد مجرم میں جرم کے ناخوشگوار نتائج کا خوف پیدا کر کے قانون کی پاسداری کے جذبہ کو جنم دینا ہوتا ہے۔ فلوجل کے مطابق خوف دلانے والی سزائیں قانون کی پاسداری کرنے والے ان افراد کے لیے بھی معاون ثابت ہوتی ہیں جنہیں اپنی سماج دشمن خواہشات کو قابو رکھنے کیلئے شعوری کوشش کرنا پڑتی ہے۔ کیونکہ قانون کا استہزاء کرنے والا مجرم سزا کی عدم موجودگی میں ہماری جبلی حیوانی خواہشات کو جرم کی ترغیب دیتا ہے اور ہم من ہی من میں کہہ اٹھتے ہیں کہ اگر وہ جرم کرتا ہے تو ہم کیوں نہ کریں۔(31)

ہمارے اندر مجرمانہ تحریک کی ہنگامہ خیزی اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ ہمارا ضمیر منفی سوچ پر استوار ہمارے اس رویہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہو اور جواباً مائل بہ اعلان ہو کہ مجرم سے بالآخر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ضمیر کا یہ اعلان اور بھی مؤثر اور فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے جب مجرم کو اس کے کئے کی سزا ملتی ہے۔ مجرم کو اس کے جرم کی پاداش میں ملنے والی سزا نہ صرف مجرم کو یہ سبق سکھاتی ہے کہ وہ جرم کر کے سزا سے راہ فرار حاصل نہیں کر سکتا بلکہ یہ ہمارے ترغیب زدہ اور باغی سوچ کیلئے ایک خوفناک مثال قائم کر کے کر کے ہمیں بھی عملاً جرم کے ارتکاب سے بچاتی ہے۔(32)

چنانچہ سزا کے اس نظریے کے مطابق افراد میں بحیثیت القوم جرم کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔ تاہم سزا کے خوف کا مطلوبہ اثر اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب فوجداری قانون صحیح معنوں میں نافذ العمل ہو اور اس پر حقیقی عمل درآمد درست سزاؤں پر منتج ہو۔ اس کے برخلاف اگر معاشرے میں مجرم کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تغافل عارفانہ کارجحان مروج ہو۔ سزا سزا کے لامحالہ عنقا ہونے کے باعث سزا کا متبادل خوف جرم سے احتراز کے مطلوبہ اثر کو باطل کر دیتا ہے۔ چنانچہ قانون پر عمل درآمد کروانے والے اداروں کی کارکردگی جرائم کے اتلاف میں

مرکزی مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ برطانیہ امریکہ اور دنیا کے دیگر ممالک سے آنیوالی بیشمار رپورٹوں سے اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ بڑے بڑے مجرمین سزا کے خوف سے کجا، سزا سے بھی کچھ نہیں سیکھ سکے۔ چنانچہ سزا کا یہ نظریہ عملی طور پر ناکارہ ثابت ہو چکا ہے۔[33]

2۔ تادیب اور اصلاح

اس نظریہ کے مطابق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مجرم کو مناسب اصلاحی ذرائع استعمال کر کے قابل علاج بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ قید کے دوران مجرموں کے ساتھ مثبت رویے اختیار کر کے اور ان کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کر کے انہیں دینی تربیت اور اخلاقیات کی تعلیم کے ذریعے نیکی اختیار کرنے اور بدی چھوڑنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جرم کی تاریخ میں لامبروسین نظریہ کے متعارف ہونے کے بعد مجرموں کو سائنسی اصلاحی تعلیم دینے اور ان کے ماحول اور حالات کے بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ نفسیاتی نظریہ کی مقبولیت کے باعث قید میں غیر معمولی مجرموں کے نفسیاتی علاج کی افادیت کو تسلیم کیا جاچکا ہے۔ مجرم بوجہ دماغی امراض کے نظریہ کے مطابق مجرم کو کسی طور پر برا آدمی تصور نہیں کیا جاتا بلکہ اسے بیمار آدمی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض ماہرین مجرموں کے دماغی امراض کے علاج پر خصوصی زور دیتے ہیں۔ نتیجتاً حتراز بوجہ خوف کا نظریہ اس مقصد کے لیے انتہائی غیر مطلوب سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے کسی طور پر مجرم کی اصلاح ممکن نہیں۔ علم الجرائم کے کئی مغربی ماہرین نے اس نظریہ پر سخت تنقید کی ہے:

"ان کا کہنا ہے کہ اگر اس نظریہ کا احاطہ پورے معاشرے تک پھیل جائے تو اسے اخلاقیات کا پورا تانا بانا تباہ ہو کر رہ جائے گا حالانکہ اخلاقیات کی ضرورت مسلمہ ہے۔"[34]

3۔ جرم سے باز رہنا

اس کا مطلب ہے کہ مجرم کو کم از کم قید کے عرصہ تک تو جرم سے باز کر رکھا جائے۔ کیونکہ قید کے دوران مجرم سخت حفاظتی پابندیوں کے باعث کوئی جرم کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ پیشہ ور عادی کو جرم سے باز رکھنے کی یہ واحد موثر تدبیر ہے۔ مجرم کو جرم سے باز رکھنے کے طریقے دو قسم کے ہیں۔

1۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ مجرم کو جسمانی طور پر اس قابل نہ رہنے دیا جائے کہ وہ جرم کر سکے۔ سزائے موت یقینا مجرم کو جرم سے باز رکھنے کا ایک موثر مستقل طریقہ ہے۔ اس طرح ناروے، سویڈن، ڈنمارک ایسے ممالک ہیں جہاں جنسی جرائم میں ملوث افراد کے عضو تناسل کاٹ کر ان کے طویل جنسی پیشہ کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔ دیگر سخت جسمانی سزائیں بھی اسی زمرے میں آتی ہیں۔

2۔ دوسرا طریقہ اوپر مذکور قید میں رکھ کر مجرم کو جرم سے باز رکھنے کا ہے۔ جس میں عرصہ قید تا حیات ہو سکتا ہے۔ اس طریقہ کی مزید دو قسمیں ہیں:

الف۔ عمومی روک تھام: اس سے باقی ماندہ آبادی پر جرم سے احتراز بوجہ خوف پیدا ہوتا ہے۔

ب۔ انفرادی روک تھام: اس سے عرصہ قید کے دوران مجرم جیل کی پابندیوں اور خوف کے باعث جرم سے باز رہتا ہے۔(35)

الغرض سزا بذات خود ایک اخلاقی اور روحانی مقصد ہے۔

4۔ کفارہ

جرم کا کفارہ، مذہبی اصولوں پر مبنی رسومات میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ دنیا کے بہت سے مذاہب اس کی اہمیت کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگرچہ کفارہ کا طریقہ مختلف مذاہب میں مختلف ہے۔ اس نظریہ کی روح یہ ہے کہ کفارہ کی صورت میں سزا پانے والا مجرم خیال کرتا ہے کہ اس نے اپنے کئے کی سزا پالی ہے اور اب اس حساب سے پاک ہے۔ کفارہ ہماری اخلاقی فطرت کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ ہر شخص جو مجرم کے ہاتھوں زیادتی کا شکار ہوتا ہے بدلے کے احساس کے تجربے سے گزرتا ہے اور کسی نہ کسی طریقہ سے تلافی کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ کفارہ کے بعد وہ اپنے آپ کو سزا سے بری سمجھتا ہے۔

5۔ بازدہی اور بحالی

اس نظریئے کے مطابق مجرم قانونی اور اخلاقی طور پر پابند ہوتا ہے کہ وہ اپنے مجرم کا شکار ہونے والے شخص کے نقصان کو پورا کرے۔ چنانچہ سزا لوگوں کے حدود سے مجرمانہ انداز میں باہر نکل جانے کی تلافی کا یقینی اور موئثر طریقہ کار ہے۔ جب مجرم کو سزا دے کر باانصاف انداز میں مطمئن کر دیا جاتا ہے تو اسے مقصد کے حصول کے لیے کسی ذاتی کاوش کی ضرورت نہیں رہتی اور اور یوں مجرم کے لامتناہی سلسلے کا ابداء واجراء منصہ شہود پر نہیں آتا۔ تاریخ کے ابتدائی ادوار میں جرم کا شکار شخص یا اس کے عزیزواقارب بدلے یا تلافی کا اہتمام خود کرتے تھے۔ لیکن جرائم کی شرح میں اضافے کا باعث سزا دینا بھی ریاست کے فرائض میں شامل ہو گیا۔

6۔ حقیقی سزا

حقیقی سزا کا تصور یہ ہے کہ مجرم کو صرف اور صرف اس کے ارتکاب جرم کے عوض سزا دی جائے۔ یہ سزا کی موجودہ شکل ہے۔ اسمیں اس کے علاوہ کوئی اور مقصد کار فرما نہیں ہوتا کہ فوجداری قانون کے تحت مجرم کو تکلیف یا نقصان پہنچایا جائے۔ اسلام میں اولیت معاشرے کو حاصل ہے۔ لہٰذا اگر دوچار افراد کو معذور بنا دینے یا ہلاک کر دینے سے کڑوروں افراد پر مشتمل معاشرہ تباہیوں سے بچ جائے تو اسلامی شریعت اس میں پس و پیش

نہیں کرتی۔ مثال کے طور پر سعودی عرب کو لیجئے، جہاں دوکاندار لاکھوں روپے کا مال یونہی دوکانوں میں چھوڑ کر نماز پڑھنے یا دیگر ضروریات کیلئے چلے جاتے ہیں لیکن مجال ہے کہ کوئی ایک تنکا بھی چرائے۔(36)

اسلامی سزائیں اگرچہ اپنی ظاہری صورت میں مجرم کیلئے اذیت ناک محسوس ہوتی ہیں، لیکن اپنے اثر کے اعتبار سے رحمت ہیں۔ اس رحمت سے مراد وہ نفسی رحمت یا طبعی شفقت نہیں جو ایک باپ کے دل میں بیٹے کیلئے یا بھائی کے قلب میں بھائی کیلئے موجود ہوتی ہے۔ بلکہ وہ رحمت مراد ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے عام ہوتی ہے اور اسی رحمت کو جاری و ساری کرنے کیلئے آسمانی شریعتیں نازل ہوتی رہی ہیں۔(37)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی سزائیں بظاہر سخت نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں جرم کی سختی اور ضرر کے مقابلے میں وہ سخت نہیں بلکہ فطرت کے عین مطابق ہیں۔ لارڈ جسٹس فرائی نے اس تصور کے حق میں دلائل دیتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے کہ سزا کا مقصد مقصد تکلیف کو گناہ کے مطابق اور متناسب بنانا ہے۔(38) کینی اور سٹیفین دونوں ہی سزا کے تصور کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں۔(39) سٹیفین کہتا ہے:

"نہایت ضروری ہے کہ مجرموں سے نفرت کی جائے اور تجویز کردہ سزا ایسی ہونی چاہیے جو اس نفرت کا اظہار کرے اور اسے حق بجانب قرار دے"(40)

گڈہارٹ نے اپنے خیالات کا واشگاف الفاظ میں اظہار کیا اور کہا ہے:

"کہ سزا کا حقیقی حق یہ ہے کہ اس کے ذریعے معاشرے کی جانب سے جرم کی ناپسندیدگی اور تردید کا اظہار ہو اور اگر سزا کا یہ استحقاق تسلیم نہ کیا جائے تو تردید اور ناپسندیدگی از خود غائب ہو جائیں"(41)

ایسا معاشرہ جو غلط کاروں کے لیے برجستگی سے مائل بہ عفو ہو، وہ مجرم سے اغماض کی بناء پر صفحہ ہستی سے مٹ سکتا ہے۔ بعض مغربی ماہرین علم الجرائم نے مختلف النوع وجوہ از قسم عضو کا مذہبی تصور افراد کی حساسیت میں (تنوع، ترغیب دہندہ سماجی حالات کی موجودگی وغیرہ) کی بناء پر اس نظریہ پر تنقید بھی کی ہے۔ اس سزا کے دو مقاصد تھے جو مختلف مفکرین نے بیان کئے ہیں۔ سزاؤں کا حقیقی مقصد مجرم کی اصلاح ہوا کرتا ہے۔ سزا کے خوف سے مجرم جرائم سے باز رہتا ہے اور اگر کوئی مجرم اپنے کیے کی سزا پاتا ہے تو یہ سزا اسے آئندہ جرائم سے باز رکھتی ہے اور دیکھنے والوں کے لیے باعث عبرت ہوتی ہے۔ اسی لیے سامی ادیان مثلاً یہودیت، عیسائیت اور اسلام نے سزا کو کسی نہ کسی صورت میں اپنے قانون کا حصہ بنایا ہے۔ خاص طور پر دین اسلام نے تو سزاؤں کا ایک مکمل نظام پیش کیا ہے۔ جس سے مجرموں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہوتا ہے اور امن و آشتی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب سزائیں معاشرتی نظام کی درستگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

مناسب سزا کی نوعیت

وہ سزا جو زمین میں فساد کرنے والے پر عائد ہوتی ہے (یعنی ڈاکہ وغیرہ کی سزا) وہ بھی چوری، قصاص اور دوسری تعزیرات سے خارج نہیں ہے۔[42] عبدالقادر عودہ نے اسلام میں سزا سزا کے بنیادی پانچ اصول گنوائے ہیں۔ چونکہ سزا کا مقصد، افراد کی اصلاح، اجتماعی تحفظ اور معاشرتی بہبود ہے اس لیے سزا کو انہی اصولوں پر قائم ہونا چاہیے جن سے یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے اصول

درج ذیل ہیں:

1۔ سزا کا مقصد انسداد جرائم ہو، جس میں تنبیہہ کا عنصر بھی شامل ہے۔

2۔ اجتماعی مفاد کے پیش نظر سزا میں نرمی یا سختی کی جاسکتی ہے۔

3۔ اجتماعی مفاد کے پیش نظر مجرم کو سزائے موت یا حبس دوام کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اس میں توبہ کی گنجائش بھی موجود ہے

4۔ اصلاح فساد اور معاشرتی تحفظ کے لیے دی گئی ہر سزا قانونی سزا سمجھی جائے گی۔

5۔ مجرم کو سزا دینے کا مقصد انتقام کی بجائے اصلاح ہے۔[43]

جے ہیتھ کے مطابق سزا ایک برائی ہے جس کی دھمکی دے کر فرمانروا اپنی رعایا کو قانون شکنی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ قانون شکنی کے مرتکب ہو جائیں تو نہیں ان کے جرم کی

نوعیت کے مطابق ٹھیک ٹھیک آڑے ہاتھوں لیتا ہے تاکہ آئندہ اسے فائدہ ہو۔ سزا کا مقصد معاشرے کی سلامتی اور اچھائیوں کو محفوظ رکھنا ہے۔[44] الغرض سزا کی اس تعریف کو اس کی درج ذیل لازمی خصوصیات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سزا بذات خود ایک اچھا عمل نہیں ہے یہ ایک برائی ہے۔ اس کا منشاء ہر صورت میں یہ ہونا چاہیے کہ برائی سے دور رہیں۔ سزا جرم کی نوعیت کے مطابق اور متناسب ہونی چاہیئے۔ اس کی نوعیت مکافاتی ہونی چاہیے۔ آنیوالے وقت پر اس کے اثرات امتناہی اور انسدادی ہونے چاہیے۔ سزا معاشرے کی سلامتی اور بہبود کی حفاظت کیلئے مقرر کی جانی چاہیئے۔

سزا کا اہم اہم بنیادی مقصد معاشرے کی سلامتی اور بہبود کی حفاظت ہے۔ لیکن اس مقصد کو پورا کرنے کے طریقے اور ذرائع مختلف ہوسکتے ہیں۔ جرم کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا ارتکاب کن مخصوص حالات میں ہوا ہے؟ جرم کے شکار شخص کو نقصان کس حد تک پہنچایا گیا ہے؟ اور کئی دوسرے عوامل طے کرتے ہیں کہ سزا کا کونسا طریقہ قابل ترجیح ہے۔ سزا کی عمومی نوعیت زیر غور لاتے ہوئے بلیک سٹون کہتا ہے کہ

" سزائیں ایسی برائیاں اور زحمتیں ہیں جو جرائم اور تقاسیر کے نتیجے میں ملتی ہیں اور انسانی قوانین ان کی تحلیل وتردید نیز نفاذ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ نافرمان اور بداطوار لوگوں کے رویہ کو درست کرنے کے لیے قانون کے زیر اثر دی جاتی ہیں "(45)

بلیک سٹون نے سزا کے ایک اور لازمی عنصر کا ذکر کیا ہے وہ یہ کہ سزا صرف ان مجرموں کو دی جاسکتی ہے جو ریاست کے قوانین کے تابع ہوں۔ سزا کا مقصد جرم کے اعادہ کو روکنا ہے اور اس کی نوعیت اتنا ہی انسدادی یا مکانی ہو سکتی ہے۔ بکیریا، بلیک سٹون، رولی، پیلے اور فینر بیک کے مطابق سزا کا بڑا مقصد صرف جرم کے اعادہ کو روکنا ہی نہیں بلکہ اس کا واحد مباح مقصد یہ ہے کہ یہ فوجداری قانون کے تحت مجرم کو دی جائے۔(46) سزا جرم کی روک تھام پر تین مختلف طریقوں سے اثر انداز ہوتی ہے۔

یہ مجرم کے جسم کو متاثر کر سکتی ہے۔ تاکہ وہ عارضی یا مستقل طور پر مجرم کے اعادہ کی طاقت سے محروم ہو جائے۔ قید و بند کی پابندیاں، طبعی ناکارگی اور سزا اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ سزا مجرم کے ذہن پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے اور یہ خوف یا اخلاقی اثرات کے زیر اثر پائے جانیوالے مجرمانہ رجحانات کا یکسر خاتمہ کر دیتی ہے۔ یہ دوسروں کے ذہنوں پر بھی اثر رکھ سکتی ہے۔(47) تمام مقاصد ایک ہی بڑے مقصد میں موجود ہیں اور وہ ہے "مجرم کے اعادہ کی روک تھام "۔بینتھم رائے زن ہے کہ ہر سزا فساد اور شرارت ہے اور اصلاً برائی ہے۔(48) اصول استفادہ کے مطابق سزا اگر ضروری ہو تو یہ صرف اور صرف اس صورت میں دی جانی چاہیے کہ جب یہ کسی بڑی برائی کو مدعونہ کرے۔ یہ امر نہایت اہم ہے کہ سزا جرم کے ارتکاب کے بعد جتنی جلدی ہو، دے دی جائے۔

مناسب سزا کے اوصاف

بینتھم کے مطابق مناسب سزا مندرجہ ذیل اوصاف کی حامل ہوتی ہیں۔ ضروری ہے کہ سزا اثر پذیر اور قابل تقسیم ہو۔ اسمیں کمی بیشی کی گنجائش ہونی چاہیے۔ سزا میں مساوات ہونی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک جیسے مجرموں کے لیے سزا مختلف نہیں ہونی چاہیے۔ تاہم عمر، جنس اور حالات کے پیش نظر اس کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے۔ سزا متناسب ہونی چاہیئے، یہ جرم کے مطابق ہونی چاہیے، یعنی آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ یہ مثالی نوعیت کی ہونی چاہیے، سزا سخت نوعیت کی نہیں ہونی چاہیے اسمیں سختی اگر ہو تو بس اتنی جو مقصد کے حصول کے لیے از بس ضروری ہو۔ سزا قابل تخفیف اور قابل تنسیخ ہونی چاہیئے۔(49)

الغرض سزا پر اگر غور کیا جائے تو یہ کوئی اچھا عمل نہیں ہے۔ اس لیے سزا کے مخالفین سزا دینے کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے انسانیت کی توہین خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر اس حوالے سے دیکھا جائے کہ سزا کسے مل رہی ہے اور کیوں مل رہی ہے تو پھر یقیناً مجرم سے ہمدردی پیدا نہیں ہو گی اور ہر دانش مند سزا دینے کی حمایت کرے

گا۔ بہر حال اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ سزا دینے میں عدل ہو، سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہو اس کا مقصد مجرمین کی اصلاح کرنا ہو نہ کہ بدلہ لینا یعنی مقصد تادیبی ہو انتقامی نہ ہو۔

جرم و سزا کا اسلامی فلسفہ

اسلامی سزائیں اگرچہ اپنی ظاہری صورت میں مجرم کیلئے اذیت ناک محسوس ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے اثر کے اعتبار سے رحمت ہیں۔ اس رحمت سے مراد وہ نفسی رحمت یا طبعی شفقت نہیں بلکہ وہ رحمت مراد ہے جو تمام بنی نوع انسان عام ہوتی ہے اور اسی رحمت کو جاری و ساری کرنے کیلئے آسمانی شریعتیں نازل ہوتی رہی ہیں۔(50)

دنیا میں امن کا مدار تین چیزوں کی حفاظت پر ہے، جان مال اور آبرو۔ اسلام نے ان تینوں کی حفاظت کو لازم قرار دیا ہے۔ خطبہ حجتہ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے اس امر کی خصوصی تاکید فرمائی اور معاشرتی مساوات اور تحفظ افراد کے لیے یہی بنیادی اصول قرار پائے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں قضاہ کا محکمہ باقاعدہ طور پر قائم ہوا اور مملکت کے طول و عرض پر مناسب مقامات پر عدالتیں قائم کی گئیں اور قاضی مقرر کیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے قضاہ کی رہنمائی کیلئے اصول و آئین کی وضاحت کیلئے ایک فرمان جاری کیا، جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"قضاہ ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف سے برابر رکھو تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں اور معزز آدمی کو رورعایت کی امید پیدا نہ ہو۔ جو شخص انکار کرے، اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے مگر ایسی صلح جس میں حلال حرام اور حرام حلال نہ ہو جائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا، غور کے بعد اگر حق کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کیلئے ایک میعاد مقرر کر دو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصلہ ان اشخاص کے سوا جنہیں سزا میں درّے لگائے گئے ہوں، یا جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں سب مسلمان ثقہ ہیں"(51)

سزا کی ضرورت و اہمیت

معاشرے کی بہتری اور معاشرے کی برائیاں دور کرنے کی غرض سے قانون تقاضا کرتا ہے کو جرائم کے ارتکاب پر سزائیں دی جائیں۔ کیونکہ ایک جرم کرنے والا اپنے جرم کے ارتکاب سے انسانی معاشرے کے افراد کے حق میں اذیت پہنچانے کا سبب بنتا ہے، اگر جرم کرنے والے کو بغیر کسی سزا کے آزاد چھوڑ دیا جائے تو پھر جرائم کا سلسلہ

بڑھتا ہی چلا جائے گا اور پھر آزادانہ اور بلا خوف و خطر چوری، ڈاکہ زنی، فساد اور قتل کا بازار گرم ہو جائے گا۔ اس لیے ایک مجرم کو سزا دینا مصلحتاً بہتر ہے۔

شریعت اسلامی نے سزا اور جرم میں مطابقت اور اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سزا کے نفاذ میں جرم کے حجم کو مد نظر رکھا ہے۔ وضعی قوانین عموماً خالص انسانی فضیلت اور حقیقی عدل و انصاف کے حصول پر مبنی نہیں ہوتے۔ ان کی بنیاد لوگوں کی عرف و عادات یا ان کے درمیان پھیل جانے والے امور پر ہوتی ہے۔ اس لیے دیکھا گیا ہے کہ حکومتیں خود اپنی حفاظت اور من مانی کرنے کیلئے قانون بناتی ہیں۔ خواہ اس سے معاشرے کی بنیاد عادلانہ بنیادوں پر ممکن ہو یا نہ ہو اور پھر آئے دن ان قوانین میں اپنی مرضی کے حساب سے ترمیمیں کرتی رہتی ہیں۔ شریعت اسلامی میں سزا کے نفاذ سے دو بنیادی اغراض وابستہ ہیں: انسانیت کی فضیلت کا قیام؛ اور معاشرے سے جرائم کا خاتمہ۔ اسلامی نقطۂ نظر سے شرعی سزاؤں میں انسانوں کی حقیقی مصلحت ہے اور ہے اور یہ حقیقی مصلحت کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی یہ اضافی ہوتی ہے۔ اسلام مصلحت حقیقی خواہ وہ بذاتہہ ہو یا اضافی نگہداشت کرتا ہے اور اس کے حصول کی خاطر ارتکاب جرم پر سزا مرتب کرتا ہے۔ "شریعت اسلامی جن جرائم پر حدود جاری کرنے کا حکم دیتی ہے وہ ان مصالح مطالقہ کے حصول کیلئے ہوتی ہے جو ہر زمانے اور ہر ملک کیلئے ہیں۔"(52) قرآن و سنت میں جن جرائم پر سزائیں مقرر کی گئی ہیں ان میں زنا، قذف، سرقہ، ڈکیتی، ارتداد، قصاص وغیرہ بلا اتفاق حدود میں شامل ہیں۔ جرائم حدود پر سزاؤں کے تعین کی وجہ یہ ہے کہ ان جرائم کے ذریعے لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کیا جاتا ہے اور یہی چیزیں آدمی کیلئے قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کی روک تھام کیلئے کڑی سزائیں مقرر کی گئیں ہیں۔ جرائم حدود کی سزائیں بظاہر بہت سخت معلوم ہوتی ہیں لیکن نتائج کے حصول اور اثر انگیزی کے اعتبار سے معاشرے کی تطہیر کیلئے ان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اہمیت حدود کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"اقامة حد من حدود الله خير من مطر اربعين ليلة في بلا الله عزوجل"(53)

"اللہ کی حدود میں حد کی نفاذ اللہ کی زمین پر چالیس راتوں کی بارش سے زیادہ بہتر ہے"

ایک اور روایت میں بیان ہوتا ہے:

"من جحد آية من القرآن فقد حل ضرب عنقه و من قال لا اله الا الله وحده لا شريک له وان محمد ا عبده ورسوله فلا سبيل لا عليه الا ان يصيب حدا فيقام عليه"(54)

"جو کوئی قرآن مجید کی کسی آیت سے جھگڑے تو اس کی گردن مارنا حلال ہے اور جس نے کہا کو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں تو اس کے خلاف کسی کو کوئی راہ نہیں مگر یہ کہ وہ 'حد' کو پہنچے تو وہ اس پر قائم کی جائے گی"

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

"اقیموا حدوداللہ فی القریب والبعید ولا تأ خذ کم فی اللہ لومۃلائم"[55]

"ہر قریبی اور دور والے پر حد قائم کرو اور اس ضمن میں تمھیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے"

حدود کے معاملے میں کسی کی سفارش بھی قابل قبول نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں فاطمہ نامی عورت نے چوری کی، صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اسامہ کلم النبیﷺ فی امراۃفقال انما ھلک من کان قبلکم انھم کا نوا یقیمون الحد علی الوضیع و یترکون الشریف والذی نفسی بیدہ لو فاطمۃؓ فعلت ذالک تقطعت یدھا[56]

"کیا تم اللہ کی حدود پر سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا کہ تم سے قبل اقوام اسی لئے تباہ ہوئیں کہ اگر کوئی شریف (طاقتور) چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے اے اللہ کے بندو! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو محمد ﷺ اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتے"

اسی طرح حد شرب خمر کی وجہ سے انسان کی عقل اپنے ٹھکانے پر رہے گی اور وہ اپنے پرائے کی تمیز کر سکے گا اور لوگوں کی عزت و آبرو اور مال و دولت پر بھی ہاتھ نہ ڈالے گا۔ جس سے آپس میں محبت پیدا ہو گی۔ شرابی جہاں اپنے خاندان کو مختلف جسمانی بیماریوں سے بچا سکے گا وہاں اپنے خاندان کو بھی مفلسی کی دلدل میں اترنے سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ نشے کے عادی کا جب نشہ پورا نہیں ہوتا تو وہ اپنے گھر کے برتن تک بیچنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ الغرض حدود اللہ کا نفاذ معاشرے کیلئے ہر طرح سے رحمت ہی رحمت ہے۔ جرائم کی روک تھام کیلئے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قانون نہیں۔

نتائج بحث

زندگی نیکی اور بدی کی جنگ کا نام ہے، اور ان کا مناسب انتخاب ہی انسانی زندگی کا امتحان ہے۔ اس امتحان میں کامیابی نیکی کا انتخاب اور بدی کا ترک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے قرآن میں اپنے بندوں سے صرف دو مطالبے کرتا ہے ایک مطالبہ ایمان اور دوسرا مطالبہ عمل صالح ہے۔ ان دو مطالبوں کو جس انسان نے دل و جان سے مان لیا وہ مسلمان بنا اور خسارے سے محفوظ رہا، جس نے ان دو مطالبوں کو نہ مانا وہ انسان تو رہا مگر سچا مسلمان نہ بن سکا۔ انسان جب بدی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا ہے۔ اللہ کی اطاعت سے نکلنے کا مطلب جرم کے راستے کا مسافر بننا ہے۔ اسلام نے ہر جرم کی سزا رکھی ہے تاکہ جرائم کی حوصلہ شکنی ہو اور طاعات کی حوصلہ افزائی ہو۔ اسلام کا مزاج ایسا ہے کہ اس نے سزا اور جرم میں مطابقت اور اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے

سزا کے نفاذ میں جرم کے حجم کو مد نظر رکھا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے شرعی سزاؤں میں انسانوں کی حقیقی مصلحت ہے اور ہے اور یہ حقیقی مصلحت کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی یہ اضافی ہوتی ہے۔ حدود کی سزائیں بظاہر بہت سخت معلوم ہوتی ہیں لیکن نتائج کے حصول اور اثر انگیزی کے اعتبار سے معاشرے کی تطہیر کیلئے ان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

سفارشات:

- معاشرتی بگاڑ کو روکنے کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ اسلامی جرم و سزا کے نظام کو اس کی روح کے مطابق نافذ کیا جائے۔
- داخلی اصلاح کے بغیر حکومت کے خارجی اقدامات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نت نئے قوانین کا اجرا پیچیدگیاں پیدا کرتا ہے، مگر مسائل کو حل نہیں کرتا۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انفرادی اصلاح اور اجتماعی اقدامات دونوں کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ انفرادی طور پر اصلاح احوال کے لئے سب سے پہلے باطنی کیفیات کو درست کیا جائے اور طاعات کی طرف نفس کو متوجہ کیا جائے۔
- معاشرے میں ترغیب اور خوف کی وہ صورتیں رائج کی جائیں جن کے ذریعے لوگ جرائم کرتے ہوئے خوف محسوس کریں اور ان کے ارتکاب سے رک جائیں۔
- برائی کا جواز فراہم کرنا دراصل صرف اپنے نفس کو فریب دینے کی ایک صورت ہے۔ اپنے باطن کی تطہیر اور معاشرے کی خارجی روک تھام کے ذریعے معاشرتی بگاڑ کو دور کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] ۔البقرۃ،30:2

Al-Baqarā, 2:30

[2] ۔بقائی، صبیح الدین، **ہمارے معاشرتی مسائل ایک عمرانیاتی جائزہ** (لاہور: اردو بازار، 2015)، 142

Baqāi, Sabīhūddin, *Hām'arey Mō'asheīti Māsa'il Aik Imrīni'atī Ja'īza*, (Lahore: Urdu Bazar, 2015), 142

[3] ۔المائدہ،27:5

Al-Maa'idā, 5:27

[4] ۔بائبل، کتاب پیدائش4:2-8

Bible,Genesis 4:2-8

[5] ۔**اردو دائرہ معارف اسلامیہ** (لاہور: دانشگاہ پنجاب، 1998)، 7/168

Urdu Dai'ra Māraf-ē-Islāmīa (Lahore: Punjab University, 1998), 7/168

[6] ۔فیروز الدین، مولوی، **فیروز اللغات** (لاہور: فیروز سنز، 2003)، 147

Fērozūddīn, Ma'ulvī, *Fēroz Al-Lūghāt* (Lahore: Feroz Sons,2003), 147

[7] ۔لوئیس معلوف، **المنجد**، ترجمہ :عبد الحفیظ (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2007)، 147

Louis Māalōōf, *Al-Mūnjad*, Trans: Abdūl Hafēēz (Lahore: Quddūsīya School, 2007), 147

[8] ۔راغب اصفہانی، **مفردات القرآن**، ترجمہ: انا محمد عبدہ فیروز پوری (لاہور: اقبال ٹاؤن، 1987)، 79

Ra'īhib Isfāha'nī, *Mūfardā't al-Qur'an*, Trans: Māula'na Mūhammād Abddā Firōz Puri (Lahore: Iqbāl Town,1987), 79

[9] ۔قریشی، طفیل احمد، ڈاکٹر، **اسلامی حدود و تعزیرات** (راولپنڈی: مطبوعات حرمت، 2013)، 30

Qurēshī, Tūfa'il Ahmēd, Dr., Islāmī Hadōōd-o-Ta'zērāt (Rawalpindi: Matboa't e Hūrmāt, 2013), 30

[10] ۔ایم فاروق، **لاء ڈکشنری**، 57/159

M. Farōōq, *Law Dictionary*, 57/159

[11] ۔عامر، عبدالعزیز، دکتور، **التعزیر فی الشریعہ الاسلامیہ** (قاہرہ: دار التوزیع والنشر، 1949)، 1/311

Aamir, Abdul Aziz, Dr., Al-Ta'zīr fī- al-Shārīa al-Islāmīyya, (Cairo:Dār ūl Tōuzī wal Nāshēr, 1949), 1/311

[12] ۔عبد اللہ، **محمڈن جیورس پروڈنس** (لاہور: منصور بک ہاؤس، 2002)، 35

Abdūllāh, *Muhāmmadān Juris Prudence*, (Lahore: Mansōōr Book Dēpot, 2002),35

[13] - *Encyclopedia of Americana*,GloorierBell, (Newyork: sheirs,2013),8/193

[14] -عبد القادر، پروفیسر، **جرمیات** (لاہور: اردو اکیڈمی، 2017)، 11

Abdūl Qa'dīr, Professor, *Jūrmīya't,* (Lahore: Urdu Academy, 2017), 1

[15] -ملک، مظفر حسن، ڈاکٹر، **جرمیات** (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2006ء)، 49

Malīk, Mūzaffar Hāsan, Dr, *Jūrmīya't,* (Islamabad: Moqtādra Qaūmī Zuban , 2006) 49

[16] -محمد قطب شہید، **اسلام اور جدید افکار**، ترجمہ: سجاد حیدر کاندھلوی (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1993ء)، 271

Mūhammād Qūtb Shahēēd, *Islām oār Jadēēd Afkā'r*, Trans: Sajjād Haidēr Kandhālvī (Lahore: Islamic Publications, 1993), 271

[17] -ایضاً، ص276

Ibid, 276

[18] -ایضاً، ص272

Ibid, 272

[19] - Mannheim.H, *Comparative Criminology* (London: Routledge and K. Paul, 1965),1/500

[20] -*Encyclopedia of Social Sciences* (New York: The Macmillon Company,1930),2/476

[21] -محمد قطب، **شبہات حول الاسلام**، ترجمہ: محمد سلیم کیانی ایم۔ اے (لاہور: البدر پبلشرز، 1981ء)، 341

Mūhammād Qūtb, *Shabha't Hāwal-ul-Isla'm*, Trans: Mūhammād Salīm Kāy'anī MA (Lahore: Al Badr Publishers, 1981), 341

[22] -Mannheim. H, Comparative Criminology, Vol:1, p: 500

[23] -محمد قطب، **شبہات حول الاسلام**، 339

Mūhammād Qūtb, Shabha't Hāwal-ul-Isla'm, 339

[24] -ایضاً، 8

Ibid, 8

[25] - Mannheim. H, Comparative Criminology, 1/214

[26] -Jones. H, *Crime and The Penal System* (Oxford: Oxford press University, 2001), 46-47

[27] -محمد قطب، **شبہات حول الاسلام**، 339

Mūhammād Qūtb, Shabha't Hāwal-ul-Isla'm, 339

[28] -Keeton. G .W, *The Elementary Principles of Jurisprudence*, (England: Pit man and Company, 1935), 326

[29] - Jones. H, Crime and The Penal System, 134

[30] -Fitzgerald. P. J, *Salmond on Jurisprudence*, (London: Sweat and Mecwell, 1960), 94

[31] - Jones. H, Crime and The Penal System, 142

[32] - Ibid, 142

[33] - Ibid,140

[34] -Good hear. A. L, *English law and the Moral law*, (London:The Clarendon Press, 1907), 93

[35] - Jones. H, Crime and The Penal System, 145

[36] -ہاشمی، محمد متین، سید، **اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ** (لاہور: مرکز تحقیق، دیال سنگھ لائبریری، 1987)، 22-23

Hāshmī, Mūhammād Matēēn, Syed, *Islāmī Hadōōd oār Un Kā Falsāfa* (Lahore: Markaz-e-Tehqeeq, Dayal Singh Library, 1987), 22-23

[37] -تنزیل الرحمٰن، جسٹس، ڈاکٹر، **جرم وسزا کا اسلامی فلسفہ** (راولپنڈی: مطبوعات حرمت، 1982ء)، 22

Tanzīl-ur-Rāhma'n, Justice, Dr. , *Jūrm-o-Sazā ka Isla'mī Falsāfa* (Rawalpindi: Matboat Hurmat,1982), 22

[38] -Kenny. C. S, *Outline of Criminal law*, (NewYork: The Macmillan Company, 1907), 33

[39] -Ibid, 33

[40] - Jones. H, Crime and The Penal System, 45
[41] - Good hear. A. L, *English law and the Moral law* (London: The Clarendon Press,1907), 29

[42] -الجزیری، عبدالرحمٰن، **کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ**، ترجمہ: منظور احسن عباسی (لاہور: علماء اکیڈمی، 2003)، 5/10

Al-Jazīri, Abdūl Rahmān, *Kitāb al-Fiqh Ali al-Mazhāb al-Araba'h*, Trans: Manzoor Ahsan Abbasi (Lahore: Ulama Academy, 2003), 5/10

[43] -عودہ، عبدالقادر، **اسلام کا فوجداری قانون**، مترجم: پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 2009) 2/6

Awdha, Abdul Qādir, *Islām ka Fojhdārī Qanōōn*, Trans: Prof. Sajid-ur-Rahman Siddiqui (Lahore: Islamic Publications, 2009), 2/6

[44] -Heath .J, *Eighteenth century penal theory* (London: Oxford University Press, 2007), 98
[45] -Ibid, 98
[46] -Ibid, 98
[47] - Kenny. C. S, Outline of Criminal law, 32
[48] -Bentham, *Principles of Moral and Legislation*, (London: The Hymlyn trust, 1953), 170
[49] -Ibid, 170

[50] -ہاشمی، محمد متین، سید، **اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ**، 22-23

Hāshmī, Mūhammād Matēēn, Syed, *Islāmī Hadōōd oār Un Kā Falsāfa*, 22-23

[51] -ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، (لاہور: ادارہ نشریات اسلام، 2016) 1/189

Nadvī, Shah Mōinuddīn Ahmad, *Tarēēkh-e-Isla'm*, (Lahore: Idhara Nashriat-e-Islam, 2016), 1/189

[52] -شام، شہزاد اقبال، **پاکستان میں حدود و قوانین** (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، 2018)، 123

Sham, Shahzad Iqbāl, *Pakistan main Hadōōd-o-Qwāneen* (Islamabad: Sharia Academy, Islamabad, 2018), 123

[53] -ابن ماجه،القزوینی،ابوعبدالله محمد بن یزید، **السنن**، ترجمه: مولانا عطا الله ساجد(لاہور: دارالسلام،2014)،کتاب الحدود، رقم الحدیث: 694

Ibn Majāh, Al-Qa'zwīni, Abu Abdūllah Muhāmmad bin Yāzid, *Al-Sūnan*, Trans: Maulāna Attaullāh Sajid, Dar ul-Sāla'am (Lahore: Kitāb al-Hūdōōd, 2014), Hadith No. 694

[54] -ایضاً، رقم الحدیث: 696

Ibid,Hadith No. 696

[55] -ایضاً، رقم الحدیث: 694

Ibid, Hadith No. 694

[56] -البخاری،ابو عبدالله محمد بن اسمٰعیل ، **الجامع الصحیح**، ترجمه:علامه وحید الزماں(لاہور : مکتبه رحمانیه1998)،کتاب الحدود،رقم الحدیث : 955

Al- Būkhari, Abu Abdūllah Muhammad bin Ismāil, *Al-Jami'a al-Sahih*, trans: Allama Wahid al-Zaman, Muktaba Rahmaniya, (Lahore: Urdu Bazar, Lahore 1998), Kitab al-Hudood, Hadith No. 955